احمد ندیم قاسمی

(1916 – 2006)

احمد ندیم قاسمی ضلع شاہ پور (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آبائی گاؤں ہی میں ہوئی۔ 1935 میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی اور پنجاب کے مختلف اضلاع میں ملازمت کرتے رہے۔ 1942 میں ''تہذیبِ نسواں'' اور ''پھول'' کے ایڈیٹر رہے۔ وہ ''ادبِ لطیف'' اور ''نقوش'' کے بھی مدیر رہے۔ انھوں نے ''فنون'' کے نام سے خود اپنا بھی ایک سہ ماہی جریدہ جاری کیا جس کے وہ آخر وقت تک مدیر رہے۔

احمد ندیم قاسمی ادب میں کئی حیثیتوں کے مالک تھے۔ وہ شاعر بھی تھے اور ایک معروف ادبی صحافی بھی۔ ان کے نصف درجن کے قریب شعری مجموعے اور ایک درجن سے زیادہ افسانوں کے مجموعے شائع ہوئے۔ ادبی مضامین اور اخباری کالم نویسی کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا، انھوں نے سب سے زیادہ شہرت اپنے افسانوں کی وجہ سے پائی۔ پنجاب کی دیہی زندگی اور عام انسانوں کے مسائل کی عکاسی کا وہ غیر معمولی سلیقہ رکھتے تھے۔ اسی لیے عام پڑھنے والوں میں ان کی کہانیاں بہت مقبول تھیں۔

احمد ندیم قاسمی کا تعلق ایک روایتی مذہبی خاندان سے تھا۔ ترقی پسند تحریک سے بھی انھوں نے اپنی ترجیحات کے ساتھ رابطہ قائم رکھا۔ ان کے اس ذہنی رویہ کے اثرات ان کی تخلیقات میں صاف دکھائی دیتے ہیں۔

سُلطان

دادا کے بائیں پنجے میں سلطان کی کھوپڑی تھی اور دائیں میں لاٹھی جو پٹری کے پکّے فرش پر ٹھن ٹھن بجے جارہی تھی۔سلطان ذرا سا رُکا تو دادا جلدی سے بولنے لگا ’’ہے بابو جی۔اندھے فقیر کو۔۔۔۔۔۔‘‘

’’نہیں نہیں دادا‘‘ سلطان بولا’’ بابو نہیں ہے۔مداری کا تماشا ہورہا ہے۔‘‘

’’تیرے مداری کی۔۔۔۔۔۔‘‘ گالی کو مکمل کرنے سے پہلے ہی دادا پر کھانسی کا دورہ پڑا اور وہ سلطان کے سر پر رکھے ہوئے ہاتھ کو اپنے سینے پر رکھ کر کھانسی کے ایک لمبے چکر میں ڈوب گیا۔

جب تک دادا کی سانس معمول پر آئی، سلطان مداری کی ٹوکری کے نیچے رکھے ہوئے چیتھڑوں کو سفید براق رنگ کے دو موٹے موٹے کبوتروں میں بدلتا دیکھ چکا تھا۔

دادا نے اپنا بایاں بازو ہوا میں پھیلا کر پوچھا’’ کہاں گیا تو؟‘‘

سلطان نے فوراً اپنا سر دادا کے پنجے میں تھما دیا اور وہ پٹری پر چلنے لگے۔

ایک جگہ دادا کی لاٹھی بجلی کے کھمبے سے ٹکرائی تو کھمبا بج اُٹھا اور سلطان بولا’’ دادا! سنا؟ کھمبا کیسا بولا؟‘‘

’’ہاں‘‘ دادا رُک گیا اور کھمبے کو ایک بار بجانے کی کوشش کی مگر نشانہ چوک گیا۔’’ کھمبے بولتے ہیں۔لے ذرا سا بجالے۔‘‘

سلطان نے دادا کی لاٹھی کھمبے پر ماری اور دادا بولا’’ دیکھا؟ جب میں تمھاری طرح چھوٹا سا تھا تو دیر دیر تک کھمبوں پر کان رکھے کھڑا رہتا تھا۔ان دنوں کھمبوں میں میمیں انگریزی بولتی تھیں۔‘‘ پھر دادا نے میموں کی نقل کی۔’’یُو گُڈ۔یُو بیڈ۔‘‘

’’میمیں بولتی تھیں کھمبوں میں؟‘‘ سلطان حیران رہ گیا۔’’ آج کل کون بولتا ہے دادا؟‘‘ پھر ایک دم سلطان کا لہجہ بدلا اور اس نے سرگوشی میں دادا سے کہا’’ دو بابو آرہے ہیں دادا۔‘‘

دادا جلدی جلدی بولنے لگا’’ بابو جی۔اندھے فقیر کو راہِ مولا ایک روٹی کے پیسے دیتے جاؤ۔اللہ تمھیں ترقیاں دے۔اللہ تمھیں بیٹے اور پوتے دے۔‘‘

ایک بابو قہقہ مار کر بولا’’ یہ بڈھا تو خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف پروپیگنڈا کرتا پھرتا ہے۔‘‘ پھر دونوں زور زور سے ہنستے

ہوئے گذر گئے۔

''چلے گئے!'' سلطان نے آہستہ سے کہا پھر ذرا سا رُک کر اس نے بابوؤں کو گالی دے دی۔

دادا نے اپنے پنجے کو سلطان کی کھوپڑی پر دبایا۔'' پھر وہی بک بک۔ کل کیا کہا تھا میں نے؟ کبھی کسی نے سُن لیا تو اِدھر کا منھ اُدھر لگا دے گا۔''

سلطان چپ چاپ دادا کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد بولا ''میرے سر پر جہاں تمہارا انگوٹھا ہے نا دادا۔ وہاں ذرا سا کھجا دو۔''

دادا نے اپنا انگوٹھا سلطان کی کنپٹی پر زور سے رگڑا۔

''سلطان۔'' خاصی دیر کے بعد دادا بولا۔'' کیا بات ہے آج تو تم کہیں رُکتے ہی نہیں، آج بابولوگ کہاں چلے گئے؟''

''مر گئے'' سلطان نے جواب دیا۔ پھر یکا یک رُک گیا اور بولا'' آج کون سا دن ہے دادا؟''

''میں کیا جانوں بیٹا۔'' دادا بولا۔'' تم دِن یاد رکھا کرو نا۔ میرے لیے تو دن رات دونوں برابر ہیں۔'' دادا نے ذرا سا رُک کر سوچا پھر بولا۔

''پرسوں تم مجھے نیلا گنبد کی مسجد میں لے گئے تھے نا؟ پرسوں جمعہ تھا۔ اس حساب سے تو آج اتوار ہے۔ بیڑا غرق ہو اس اتوار کا۔ آج تو بابولوگ اپنے گھروں میں بیٹھے بیوی بچوں سے کھیل رہے ہوں گے۔''

سلطان یوں دم بخود کھڑا رہ گیا جیسے کوئی زبردست حادثہ ہو گیا ہے۔ اچانک ٹن کی آواز آئی۔ کسی راہ چلتے نے سلطان کے ہاتھ کے کٹورے میں ایک پیسہ ڈال دیا تھا۔

''کچھ ملا؟ کیا ملا؟'' دادا نے پوچھا۔

''ایک پیسہ ہے۔'' سلطان بولا۔'' چھوٹے والا۔ نئے والا۔''

دادا نے اپنا پنجہ سلطان کے سر پر گھمایا۔'' جا کوئی چیز لے کر کھالے۔ جا۔ میں یہیں کھڑا ہوں۔''

''ایک پیسے کا تو کوئی کچھ نہیں دیتا دادا'' سلطان بولا۔'' دو تین ہو گئے۔ گنڈیری کھاؤں گا۔''

دادا نے سلطان کے سر پر سے ہاتھ اٹھا کر جیب میں ڈالا۔'' لے یہ دو نئے پیسے کل کے بچے رکھے ہیں۔ کوئی چیز کھالے۔ تو نے صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں۔ بچوں کو تو بڑی بھوک لگتی ہے۔ جا۔''

سلطان نے پیسے لے لیے تو دادا بولا۔'' جلدی سے آجا۔ اچھا میں یہیں کھڑا ہوں۔ کہاں کھڑا ہوں میں؟''

''ذرا سا بائیں کو ہو جا دادا'' سلطان نے دادا کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ''کھمبے کے ساتھ لگ جا۔''

دادا کھمبے سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔ وہ دیر تک یوں ہی کھڑا رہا۔ پھر وہ کھمبے پر کان رکھ کر جیسے کچھ سننے لگا اور مسکرانے لگا۔ یکا یک وہ چونک سا اٹھا اور سلطان کو پکارنے لگا۔ ''سلطان۔ اے سلطان۔'' پھر وہ اُسے گالیاں دینے لگا۔ ''او سلطان! تو کہاں جا کر مر گیا؟'' کوئی جواب نہ پا کر وہ اِدھر اُدھر گھوم کر بولا۔ ''اے بھئی، خدا کے بندہ! میرا چھوٹا سا پوتا ادھر کہیں سے پیسے دو پیسے کی کوئی چیز لینے گیا ہے۔ سلطان نام ہے۔ کہیں تانگے موٹر کے نیچے تو نہیں آ گیا بدنصیب کی اولاد۔'' پھر وہ چلّا دیا۔ ''او سلطان۔''

''آیا دادا۔'' دور سے سلطان کی آواز آئی۔ مگر زور سے چیخنے کی وجہ سے دادا کے کھانسی چھوٹ گئی۔

دادا کی سانس معمول پر آنے لگی تو اس نے پلٹ کر جیسے کھمبے سے پوچھا۔ ''کہاں مر گیا تھا تو؟''

سلطان نے دادا کا بایاں ہاتھ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ ''مداری تماشا دکھا رہا تھا۔ پیٹ سے گولے نکال رہا تھا۔''

دادا نے اپنے پنجے کو سلطان کی کھوپڑی پر یوں دبایا جیسے اسے اوپر اٹھا لے گا۔ ''چل گھر چل۔ وہاں میں تجھے مداری کا تماشا دکھاؤں۔ یہ نہیں سوچا کہ میں اندھا اپاہج یہاں رستے میں کھڑا ہوں۔''

سلطان چُپ چاپ چلنے لگا۔ کچھ دیر بعد دادا نے نرمی سے پوچھا ''کیا کھایا؟''

''گنڈیریاں'' سلطان بولا۔

''ارے بدبخت گنڈیریاں تو پانی ہوتی ہیں۔'' دادا پھر غصّے ہونے لگا۔ ''چنے کھالیتا تو دوپہر تک کا سہارا تو ہو جاتا۔''

سلطان چپ چاپ چلتا رہا۔

''کٹورا ہاتھ میں لٹکا تو نہیں رکھا؟'' دادا نے پوچھا۔

''نہیں دادا'' سلطان بولا۔

''ہاں'' دادا نے نرمی سے نصیحت کی۔ ''اُٹھائے رکھا کرو۔ لٹکا رہے تو لوگ سمجھتے ہیں یہ بھکاری نہیں ہیں۔ سودا لینے چلے ہیں۔''

سلطان چہکنے لگا۔ ''ایک بار میں کٹورے میں تیل لینے جا رہا تھا تو ایک بابو نے اس میں دونّی ڈال دی تھی۔ یاد ہے دادا؟''

''ہاں'' دادا بولا۔ ''پر ایسا کم ہوتا ہے ایسے بابو کم ہوتے ہیں۔''

''دادا'' سلطان نے کہا۔ ''انگوٹھے والی جگہ کو ایک بار پھر کھجا دے۔''

دادا نے سلطان کی کنپٹی پر انگوٹھا زور سے رگڑا اور بولا۔ ''آج واپس جا کر میں زیبو بیٹی سے کہوں گا کہ میرے بچّے کے سر

سے جوئیں چُن لے۔

تم بھی اس کا کوئی کام کر دینا۔ بالٹی بھر لا نا نل سے۔ اچھا؟''

گھر واپس آ کر جب سلطان، دادا کو کھٹولے کے پاس لاتا تو کہتا۔ ''لے دادا بیٹھ جا۔'' دادا لاٹھی کو کھٹولے کے پائے سے لگا دیتا اور سلطان کے سر پر سے ہاتھ اٹھا کر کھٹولے پر بیٹھ جاتا۔ سر پر سے دادا کا ہاتھ اُٹھتے ہی سلطان کو یوں محسوس ہوتا جیسے ایک دم وہ ہلکا پھلکا ہو گیا ہے اور اس کے پاؤں میں لوہے کے گولوں کی جگہ ربڑ کے پہیے بندھ گئے ہیں۔ وہ چپکے سے چھپریا میں سے نکل آتا۔ پھر خالہ زیبو کی آنکھ بچا کر بھاگ نکلتا اور بنگلوں سے گھرے ہوئے میدان میں پہنچ جاتا جہاں امیروں کے بچے کرکٹ کھیلتے تھے اور غریبوں کے بچے انھیں گیند اٹھا کر دیتے تھے۔ پھر جب وہ میدان خالی کر دیتے تھے تو بیروں، خانساموں اور چپراسیوں کے بچّے بلّور کی گولیاں کھیلتے تھے۔ ایک بار سلطان نے بھی اس کھیل میں شامل ہونے کی کوشش کی تھی۔ چند روز تک کھیلا بھی تھا۔ مگر پھر ایک دن ایک لڑکے نے انکشاف کیا تھا کہ سلطان تو اندھے بھکاری کا بچہ ہے۔ جب سے اسے کھیل میں شامل نہیں کیا جاتا تھا۔ البتہ جب کوئی بچہ بلور کی گولی بہت دور پھینک بیٹھتا تو سلطان لپک کر یہ گولی اُٹھا لاتا تھا اور مالک کے حوالے کرنے سے پہلے اسے چند بار اُنگلیوں میں گھما لیتا تھا۔ ایک بار دادا کے سامنے دیر تک زار زار رو کر اس نے چند پیسے حاصل کر لیے تھے اور اُن سے بلور کی گولیاں خرید لایا تھا۔ مگر جب میدان میں پہنچا اور بچوں نے اس کے ہاتھ میں گولیاں دیکھی تھیں، تو وہ یہ کہہ کر اس پر جھپٹ پڑے تھے کہ یہ تو ہماری گولیاں ہیں۔ وہ اس دن خوب پاؤں پٹخ پٹخ کر رویا تھا۔ مگر دوسرے دن پھر میدان میں جا نکلا تھا۔

ایک بار میدان میں آنے کے بعد اُسے واپس گھر جانے سے ڈر لگتا تھا کہ کہیں دادا پھر سے اس کے سر کو اپنے سوکھے ہاتھ میں جکڑ کر اسے سڑک سڑک نہ لیے پھرے۔ اسے معلوم تھا کہ صبح کو آنکھ کھلتے ہی اسے دادا کے ساتھ گدا کرنے کے لیے نکل جانا ہوگا۔ اس لیے کھٹولے سے اُٹھتے ہی اُسے ایسا لگتا جیسے اس نے پتھر کی ٹوپی پہن لی ہے۔ دادا کے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں درد کی پانچ لہریں بن کر اس کی کھوپڑی میں دوڑ جاتیں اور جب دادا نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کے بعد لاٹھی سنبھالتا اور سلطان کو پاس بلا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتا تو سلطان آدھا مر جاتا۔ دادا کا یہ ہاتھ سوتے جاگتے میں اُسے بھوت کی طرح ڈراتا تھا۔ یہ ہاتھ اسے گرفتار کر لیتا تھا۔ اور وہ پٹری پر یوں چلتا تھا جیسے ملزم ہتھکڑیاں پہنے سپاہی کے ساتھ چلتے ہیں اور پھر قید خانے کے صدر دروازے کے جنگلے میں سے باہر سڑک پر لوگوں کو چلتا پھرتا ہنستا مسکراتا دیکھتے ہیں مگر بس دیکھتے رہ جاتے ہیں اور ان کی بصارت کے ساتھ سلاخیں صلیبوں کی طرح چمٹ جاتی ہیں۔

جب دادا کا ہاتھ اپنے سر پر رکھے وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا تھا تو کئی بار اس کا جی چاہا کہ گنڈیری والے کے خوانچے میں

سے جو گنڈیری لڑھک کر گندی نالی کے کنارے جا کر رُک گئی تھی، وہ لپک کر کھالے۔ بابو نے کیلا کھا کر جو چھلکا پھینکا ہے اُسے بڑھ کر اٹھالے اور ذرا سا چاٹ لے۔ مگر جب بھی اس نے کسی بہانے دادا سے ذرا سا رک جانے کو کہا تو دادا نے اپنی انگلیاں اس کے سر کی ہڈی میں گاڑ دیں اور بولا'' میں تجھے ٹہلانے نکلا ہوں کہ تو مجھے گدا کرانے نکلا ہے؟ ارے بدبخت! دن بھر میں چار پانچ آنے کی بھیک نہ ملی تو زیبو بٹی دو وقت کی روٹی ہمیں کیا اپنی گرہ سے کھلائے گی؟ اس کی یہی مہربانی کیا کم ہے کہ اس نے ہمارے سر چھپانے کو اپنی چھپریا دے رکھی ہے؟''

کافی دنوں کی بات ہے دادا بنگلوں سے بھیک مانگنے کے بعد جب کوارٹروں کے پیچھے بیگو کو چوان کے گھروندے کے سامنے سے گذرا تو اس کی ماں زیبو لپک کر آئی اور بولی'' ارے بابا۔ دعا کر۔ اللہ میرے بیٹے کی پسلی کا درد ٹھیک کر دے۔ میں تجھے پورا ایک روپیہ دوں گی۔''

دادا نے وہیں کھڑے ہو کر دُعا مانگی تھی پھر چند روز کے بعد اس نے سلطان کو دوبارہ ان ہی بنگلوں کی طرف چلنے کو کہا۔ ابھی وہ بنگلوں تک نہیں پہنچے تھے کہ زیبو نے انھیں رستے ہی میں پکڑ لیا۔ دادا کو ایک روپیہ دیا اور بولی'' مجھے بتا تو کہاں رہتا ہے بابا؟ میں جمعرات کی جمعرات تیری سلامی کو آیا کروں گی۔'' پھر جب اُسے معلوم ہوا تھا کہ یہ دادا پوتا تو کسی دکان کے چھجے تلے پڑ رہتے ہیں تو اس نے بیٹے سے کہہ کر چھپریا خالی کرا دی تھی اور جب سے دونوں وہیں رہتے تھے۔ دن بھر کی بھیک اس کو لا دیتے تھے اور وہ اسی حساب سے انھیں روٹی پکا دیتی تھی۔ ان دنوں دادا سے وہ اپنے بیٹے کے اولاد ہونے کی دعا کرا رہی تھی۔

سلطان کو دادا کے علاوہ خالہ زیبو بھی اچھی نہیں لگتی تھی۔ وہ جب بھی دادا کو واپس چھپریا میں پہنچا کر نکلا تو زیبو سے چھپ کر نکلا۔ ورنہ وہ شور مچا دیتی تھی کہ لو دیکھو۔ اپنے بوڑھے اپاہج دادا کو اکیلا چھوڑ کر کھیلنے چلا ہے۔

جس روز دادا دن ڈھلے ہی تھک کر واپس آ جاتا اور سلطان کو کھسک جانے کا موقع نہ ملتا تو ذرا سا ستا لینے کے بعد وہ پھر سے لاٹھی سنبھال کر کہتا'' چل سلطان۔ چوک کا ایک اور چکر لگوا دے۔ آج کچھ زیادہ مل گیا تو کل تیری چھٹی''۔ مگر یہ چھٹی کبھی نہیں ملتی تھی۔ اس لیے کہ کچھ زیادہ کبھی نہیں ملتا تھا۔

البتہ اب کچھ عرصے سے یوں ہونے لگا تھا کہ دادا کو آدھی رات کے بعد دمے کے دورے پڑتے اور وہ کھانس کھانس اور ہانپ ہانپ کر صبح تک ادھ موا ہو جاتا۔ اس روز وہ گدا پر نہیں نکلتا تھا۔ مگر سلطان کو جب بھی چھٹی نہیں ملتی تھی۔ وہ دن بھر بیٹھا دادا کے کندھے اور پسلیاں دباتا رہتا اور اس کے ہاتھ رکتے تو دادا کھانسی سے بھنچی ہوئی آواز میں پکارتا'' کیوں سلطان کیا کر رہا ہے؟ مر تو نہیں گیا؟''

سلطان فوراً دادا کے کندھے پکڑ لیتا اور جی میں کہتا ''اللہ کرے تو خود مرجائے دادا۔تو مرجائے تو اللہ قسم کیسے مزے آئیں۔اللہ کرے تو جلدی جلدی سے بس ابھی ابھی مرجائے اور میں بنگلے کی بی بی سے اس کے بچے کی ٹوپی کی بھیک مانگ کر اپنا سر ڈھانپ لوں۔''

پھر ایک روز دادا سچ مچ مرگیا۔ وہ ٹوٹتی رات سر کو گھٹنوں پر رکھے کھانستا اور ہانپتا رہا اور اس کی پسلیاں پھنکتی اور سمٹتی رہیں۔سلطان اس کے کندھے دباتا رہا اور اس کی ریڑھ کی ہڈی کے کناروں کو انگوٹھوں کی پوروں سے سہلاتا رہا۔پھر وہ سوگیا۔ اور جب صبح کو اس کی آنکھ کھلی تو روتی ہوئی خالہ زیبو نے اسے بتایا کہ ''سلطان۔تیرا دادا تو اللہ کو پیارا ہوگیا۔''

ایکا ایکی سلطان کے اندر چار طرف پھلجھڑیاں سی چھوٹیں اور وہ بولا ''سچ؟'' جیسے اسے یقین نہیں آرہا کہ دادا لوگ بھی مرسکتے ہیں۔پھر بیگو کو چوان آس پاس کے لوگوں کو جمع کرلایا اور وہ دادا کو غسل دے کر دفنانے لے گئے۔

خالہ زیبو وقفے وقفے سے روتی رہی اور اس کی بہو نے بھی سلطان کو بڑے پیار سے دن بھر اپنے پاس بٹھائے رکھا۔ بیگو بھی قبرستان سے واپس آیا تو سلطان کے لیے گنڈیریاں لیتا آیا اور گنڈیریاں چوستے ہوئے سلطان نے سوچا۔ جب دادا مرجاتے ہیں تو کیسے مزے آتے ہیں۔

رات بھی خالہ زیبو نے اسے چھپریا میں نہ جانے دیا کہ بچّہ ہے، ڈر جائے گا۔صبح کو اس نے سلطان کو رات کی ایک چپاتی اور لسّی کا ایک پیالہ دیا۔خوب پیٹ بھر کر وہ اٹھا تو زیبو نے پوچھا۔''کہاں چلے بیٹا؟''

سلطان کو یہ سوال بڑا عجیب سا لگا۔ہم کہیں بھی جائیں،تمھیں کیا۔ہمارا دادا تو مرگیا ہے۔

سلطان کو خاموش پاکر وہ بولی ''نہیں بیٹا۔کھیلتے ویلتے نہیں ہیں۔'' پھر وہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر چھپریا میں لے آئی اور کٹورا اٹھا کر اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولی'' آج کہیں سے آٹھ دس آنے کمالا....میں تجھے چاول کھلاؤں گی۔جا بیٹا۔کسی آباد سڑک کا ایک پھیرا لگالے۔اللہ تیرا ساتھی ہو۔''

سلطان نے ہاتھ میں کٹورا لے لیا مگر چھپریا سے باہر آتے ہی وہ رک گیا۔واپس چھپریا میں گھسا جیسے کچھ بھول آیا ہے۔پھر وہ بلبلا کر رودیا اور خالہ زیبو کے پھیلے ہوئے ہاتھوں سے کترا کر بھاگ نکلا۔

اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو رہا تھا جب اس نے سڑک پر ایک بابو کے سامنے کٹورا پھیلایا۔''بابو جی اندھے فقیر کو راہِ مولا ایک روٹی۔''اس نے زارزار روتے ہوئے دادا کے الفاظ دہرادیے۔

''کیا تو اندھا ہے؟''بابو نے سختی سے پوچھا۔

سلطان کو یکایک اپنی غلطی کا احساس ہوا اور گھبرا کر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ''جھوٹ بھی بکتا ہے اور روتا بھی ہے؟''

بابو نے ڈانٹا۔ ''نوکری کرے گا؟'' اس نے پوچھا پھر سلطان کو مسلسل روتا پا کر جانے لگا۔

سلطان رُندھی ہوئی آواز میں بولا ''ہے بابو جی۔ راہِ مولا پیسے دو پیسے دیتے جاؤ۔''

بابو پلٹے بغیر آگے بڑھ گیا۔ وہ کافی دور نکل گیا تھا جب روتا ہوا سلطان یکایک اس کی طرف دوڑنے لگا اور پکارنے لگا ''بابو جی۔ ہے بابو جی۔''

بابو رک گیا۔ آس پاس سے گزرتے ہوئے لوگ بھی ٹھٹھک گئے۔ ''نوکری کرے گا؟'' بابو نے پوچھا۔

''بابو جی۔'' ہانپتا ہوا سلطان بابو کے پاس رکا۔ پھر اس کا نچلا ہونٹ ذرا سا لٹکا اور وہ بولا۔ ''بابو جی۔۔ دیکھیے۔۔ میں نوکری نہیں مانگتا۔ بھیک نہیں مانگتا۔'' اس نے کٹورا زمین پر پٹخ دیا۔

''تو پھر مجھے کیوں پکارا؟'' بابو نے جمع ہوتے ہوئے لوگوں پر ایک نظر دوڑا کر ذرا تلخی سے پوچھا۔

ایک دم سلطان کی آنکھوں میں اکٹھے بہت سے آنسو آگئے۔ اس کے ہونٹ پھڑکنے لگے اور وہ بڑی مشکل سے بولا ''بابو جی۔ خدا آپ کا بھلا کرے۔ خدا آپ کو بہت بہت دے۔ کیا آپ ذرا دور تک میرے سر پر ہاتھ رکھ کر چل سکیں گے؟''

''لو اور سنو۔'' بابو احمقوں کی طرح ہجوم کو دیکھنے لگا۔

______ احمد ندیم قاسمی

سوالوں کے جواب لکھیے:

1۔ سلطان کو زیبو خالہ کا باہر جانے پر ٹوکنا کیوں بُرا لگتا ہے؟

2۔ سلطان کو دادا کا ہاتھ لوہے کی ٹوپی جیسا کیوں لگتا تھا اور بعد میں اس کے نہ ہونے پر اسے کیا محسوس ہوا؟

3۔ سلطان نے بابو جی سے اپنے سر کے اوپر ہاتھ رکھ کر تھوڑی دور چلنے کی درخواست کیوں کی؟